ادبی سلسلہ نمبر 4

ماہنامہ

# القلم

اردو جہانیاں

تودۂ خاک سے، خار و خس و خاشاک سے آگے
ہے مرا اصل وطن خطۂ افلاک سے آگے

تنہاؔ لائلپوری

شمارہ نومبر 2023ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# ادبی سلسلہ نمبر 4

شمارہ نومبر 2023ء


| | |
|---|---|
| انچارج | ثنا اکرم ملھی |
| چیف ایڈیٹر | تنہا لائلپوری |

رابطے کا ذریعہ:

tanhalyallpuri@gmail.com

0305 8545555

# فہرست

# فہرست

# اداریہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

حمد و ثنا رب العالمین، مالک کل، واحد و یکتا، لم یلد ولم یو لد کفوا احد کے لیے اور دونوں جہانوں میں سلامتی و درود محمد عربی مکی مدنی، ہاشمی و قریشی، امی لقبیﷺ کے لیے ہے۔

اسلام تھا، اسلام ہے اور اسلام ہی رہے گا۔ یہ دینِ حق ہے جس کی ابتداء بابائے بشر حضرت آدمؑ کی بعثت سے ہوئی اور آقائے دو جہاں خیر الورا پہ مہرِ نبوت کے اثبات میں شرفِ تکمیل کو پہنچی۔ اسلام کے نام لیوا ہر دور میں سرپرستی دین، صدائے حق کے لیے سبیل اللہ میں اپنی جانوں مالوں سے جہاد کرتے رہے ہیں اور شرک و فتنہ کے خاتمے کے لیے حق کا الم اٹھائے تیر و شمشیر سہتے، بے دریغ کٹتے رہے اور کفر کو کاٹتے رہے ہیں۔ کفر جتنا بھی سر چڑھ کر صدا بہ صدا ہو جائے ایمان کے مٹی بھر سپاہی نصرت و فتح کو پا لیتے ہیں۔ الاقصیٰ، قبلۂ اول سر زمینِ انبیائے کرام، محمدی سواری براق کا مقامِ پڑاؤ، نہ صرف اس دور میں بلکہ تاریخ کے تاریک کئی حصوں میں خون سے سرخ ہوتی رہی ہے۔ اب جبکہ یہودی و صہیونی طاقت اپنے کفر و شرک سے چور پھر سے قابض الاقصیٰ ہیں تو مسلم امہ ایک بار پھر اپنے خون سے الاقصیٰ کی تقدیر میں اسلامی علم کو جبینوں کا سہرا بنانے کے لیے کٹ رہے ہیں اور اپنے بچوں کو بے دریغ کٹا رہے ہیں۔ ایسے میں بحثیت مسلم امہ ہم اپنے فلسطینی مجاہدین کے لیے دعا گو ہیں، خدائے واحد و یکتا کفر کے خاتمے کے ساتھ الاقصیٰ کی فتح دیکھنا نصیب فرمائے، طوفان الاقصیٰ کے نام سے شروع کی جانے والی اس جنگ میں شریک بچوں، بڑوں اور عورتوں کی شہادت کو قبول فرمائے، تمام غازیان کو نصرت و فتح سے تسکینِ قلب دے اور ان کے اہل و عیال کی شہادتوں پر صبر جمیل سے نوازے۔ ادارہ القلم اردو جہانیاں کا یہ شمارہ فلسطینی مجاہدین کے نام۔ اہلِ قلم و قرطاس کی تمام تحاریر ہمیں وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں جن کا مطالعہ آپ کو بہترین ذہنی آسودگی دے گا۔ آپ کے اپنے شمارے کے انتظار کو ختم کرتے ہیں اور شروع کرتے ہیں مطالعہ، کہ اس ماہ ہمارے لکھاریوں نے کیا لکھا ہے۔ آپ کے تبصروں اور اظہارِ رائے کا انتظار رہے گا۔ لکھیے، پڑھیے، اور سلامتی کو پایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

ثنا اکرم ملھی

# حمدِ باری تعالیٰ

## مظفر وارثی

تصور سے بھی آگے تک در و دیوار کھل جائیں
مری آنکھوں پہ بھی یا رب! ترے اسرار کھل جائیں

جوارِ عرشِ اعظم اس قدر مجھ کو عطا کر دے
مرے اندر کے غاروں پر ترے انوار کھل جائیں

اتاروں معرفت کی ناؤ جب تیرے سمندر میں
تو مجھ پر بادبانوں کی طرح منجدھار کھل جائیں

اندھیروں میں بھی تو اتنا نظر آنے لگے مجھ کہ سناٹے
بھی مانندِ لبِ اظہار کھل جائیں

مرے مالک! مرے حرفِ دعا کی لاج رکھ لینا ملے
توبہ کو رستہ، بابِ استغفار کھل جائیں

مظفرؔ وارثی کی اس قدر تجھ تک رسائی ہو کہ اس کے
ذہن پر سب معنیِ افکار کھل جائیں

# نعتِ سرورِ کونینﷺ

## ساغر صدیقی

سرمایۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی
اسرارِ کائنات ہے سیرت رسولؐ کی

پھولوں میں ہے ظہور، ستاروں میں نور ہے
ذاتِ خدا کی بات ہے، سیرت رسولؐ کی

بنجر دلوں کو آپؐ نے سیراب کر دیا
اک چشمۂ صفات ہے سیرت رسولؐ کی

جور و جفا کے واسطے برقِ ستم سہے
دنیائے التفات ہے سیرت رسولؐ کی

تصویر زندگی کو تکلم عطا کیا
حسنِ تصورات ہے سیرت رسولؐ کی

ساغرؔ! سرور و کیف کے ساغر چھلک اٹھے
صبحِ تجلیات ہے سیرت رسولؐ کی

# عالمی نمونیا دن

## آمینہ یونس

دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی نمونیا کا دن مناتا ہے، کیونکہ پاکستان میں نمونیا کی وجہ سے سالانہ 4 لاکھ بچے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق نمونیا دراصل پھیپھڑوں میں ہونے والے اس انفکشن کو کہتے ہیں جو نظامِ تنفس کے ذریعے انسان کے جسم کے اندر داخل ہوتا ہے۔ عام طور پر متاثرہ افراد لاعلمی کی وجہ سے نمونیا جیسی بیماری کو نظر انداز کرتے ہیں۔

اس بیماری کی ابتدائی علامت نزلہ اور زکام سے شروع ہوتی ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھیپھڑوں میں پہنچ کر جسم میں آکسیجن کی مقدار کو کم کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں جسمانی اعضاء ناکارہ ہو جاتے ہیں اور انسان موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

عام طور پر ہر عمر کا شخص اس بیماری کا شکار ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بیماری زیادہ تر بچوں کو موت کی طرف جلدی لے جاتی ہے۔

طبّی ماہرین کے مطابق پاکستان میں ہر سال 4 لاکھ بچے نمونیا کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں نمونیا 5 سال سے کم عمر بچوں کی جان لینے والی بیماریوں میں پہلے نمبر پر ہے۔

اے آر وائی نیوز کے پروگرام باخبر سویرا میں نمونیا کی آگاہی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر عرفان حبیب نے بتایا کہ رواں برس ورلڈ نمونیا ڈے کا تھیم جلد سے جلد اس بیماری کی تشخیص کو قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اگر اس کی بروقت تشخیص نہ ہو تو نمونیا بگڑ جاتا ہے جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ڈاکٹر عرفان نے گھر میں نمونیا کی تشخیص کا طریقہ بتاتے ہوئے کہا کہ ہر کھانسی، نزلہ، نمونیا کا نہیں ہوتا لیکن اگر سانس تیز چلے یا پسلیوں میں گڑھے پڑ جائیں، بخار تین دن سے زیادہ رہے یا تین دن گزرنے کے بعد بھی کھانسی ٹھیک نہ ہو تو یہ نمونیا کی علامات ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں والدین فوری طور پر ڈاکٹرز سے رجوع کریں۔

# جھوٹ

کائنات احسان (گوجرانوالہ)

جھوٹ، ایک فیصد بھی انسان
کی پرسنیلٹی کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور
فورس کرنا کسی کو جھوٹ کے لیے، یہ
آپ کی پرسنیلٹی اور عزت کو اس
بندے کی نظر میں کتنے درجے گرا سکتا
ہے، آپ کو اندازہ نہیں ہوتا۔ جھوٹ
کی بنیاد پہ کوئی بھی تعلق سروایؤ نہیں
کر سکتا۔ جھوٹ سے ہی تمام جھگڑے
اور رنجشیں جنم لیتی ہیں۔

تو کیسے آپ اپنے ہی پیاروں
کو بس یہ کہہ کے جھوٹ کے لیے
فورس کر سکتے کہ سب کرتے ہیں،
تمھیں عقل کی بات بولی جا رہی، فالو
کرو، بدتمیزی نہ کرو۔

یہ کیسی عقل ہے، جھوٹ کی ترغیب؟
اس سے انکار آخر کیوں؟
بدتمیزی سمجھی جاتی؟

(ایک سوال ہے، آج آپ اپنے ہی
بچے/بچی کو ایک چھوٹے سے جھوٹ
سے بنیاد کی طرف لے جائیں گے۔)

خدارا! اگر کوئی مطمئن ہے
کسی بھی اپنی بات کو سامنے رکھنے کے لیے
جو اللہ کی طرف سے ہے تو
اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ کی تخلیق پہ
کیوں آپ جھوٹے لبادے اوڑھنے کو
فورس کرتے؟

آج کے والدین کو یہ بات
لازمی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اولاد بدتمیز
نہیں ہوئی، اس کو محبت بھرے انداز میں
سن کر تو دیکھیں۔

اللہ پہ توکل رکھیں کہ جس
اللہ الرحمٰن نے تخلیق کیا ہے وہی اسباب
پیدا کرنے والا ہے، بیشک۔ الحمدللہ!

اللہ کی رکھی گئی کسی کمی کو
حقیر نہ جانیں۔ مت رنگت پہ سوال
کریں کسی کی، مت کسی کو تنقید کریں قد
پہ، مت کسی کی عینک پہ سوال کریں،
مت کسی کے موٹے ہونے پہ تنقید
کریں۔ اللہ نے سب کو بہترین انداز میں
تخلیق کیا ہے۔ الحمدللہ!

اور رہ گئی بات جھوٹ کی تو یہ
احادیث اور آیات بتاتی ہیں کہ آپ کی
اولاد بدتمیز نہیں ہوئی۔ بس وہ ڈرتی ہے
جھوٹ کی بنیاد سے۔

کائنات احسان (گوجرانوالہ)

**الّذِینَ آمَنُوا اتّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّادِقِینَ**

ترجمہ : "اے اہل ایمان! خدا سے ڈرتے رہو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔"

(**التوبہ:** 119)

**عن عبدالله** رضی اللہ عنہ **النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قال: إن الصدق يهدی إلى البر وإن البر يهدی إلى الجنة وإن الرجل ليصدق حتىٰ يكون صديقا وإن الكذب يهدی إلى الفجور وإن الفجور يهدی إلى النار وإن الرجل ليكذب حتىٰ يكتب عند الله كذابا**

(**صحیح بخاری**:6094)

ترجمہ : عبداللہؓ بن مسعود نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بلاشبہ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور بلاشبہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔"

# اقبال کا فلسفۂ خودی

سجل راجہ (اسلام آباد)

"خودی" فارسی کی لغت کی رو سے خود پرستی، خود غرضی، نخوت اور خود سری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اقبال کا "فلسفۂ خودی" مروجہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ اقبال کی خودی بہت وسیع معنی لیے ہوئے ہے۔ اقبال"اسرارِ خودی" کے دیباچے میں خودی سے مراد "احساسِ نفس یا تعینِ ذات" لیتے ہیں۔

خودی سے اقبال کی مراد خود شناسی، خود آگاہی، خود کے اندر پوشیدہ جذبوں اور صلاحیتوں کو پہچان کر، انہیں بروئے کار لا کر کامیابی کا سفر طے کرنا ہے۔

خود کو پہچاننا فقط ذات پات، حسب و نسب تک موقوف نہیں بلکہ خودی اندر کی پوشیدہ خوبیوں اور اندرونی پہچان کا نام ہے۔ "حضرتِ انسان" کی "خودی" اسے نئی دنیا پیدا کرنے کے لیے تحریک دیتی ہے۔ اقبال نئی کائنات کی کھوج کو "خودی" کے زندہ ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں۔

اقبال اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے قائل ہیں۔ کسی سے طلب نہ کرنا، خودداری بلند ہونا، "خودی" کے ہی نتائج ہیں۔ غیروں کے چراغ سے روشنی کرنا "خودی" کی غیرت کے خلاف ہے۔ دستِ طلب پھیلانا "خودی" کو کمزور کرتا ہے۔ "عشق" وہ ٹھوس شے ہے جو "خودی" کو اور مضبوط کرتی ہے۔ اقبال خودی کی پرورش "اثبات" سے کرتے ہیں۔

اقبال نے "فلسفۂ خودی" کی کھوج کائنات، نظامِ کائنات اور خالقِ کائنات کے بارے میں غور و فکر کے نتیجے میں لگائی۔ "انسان کیا ہے؟"، "خالقِ کائنات سے اس کا ربط کیا ہے؟"، "کائنات کے پسِ پردہ عوامل کیا ہیں؟"

اقبال کے ایسے سوالات انسانی وجود کا اثبات اور خودی کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ فلسفۂ خودی میں خود بینی اور خدا بینی لازم و ملزوم ہیں کیونکہ معرفتِ نفس عرفانِ رب کا ایک ذریعہ ہے۔ انسانی وجود کی بقا کے لیے خودی کا وجود ضروری ہے۔

# اقبال کا فلسفۂ خودی

سجل راجہ (اسلام آباد)

ضربِ کلیم میں فرمایا:

؎ تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چارسو بدل جائے

اقبال کا اندازِ تکلم اور افکار جداگانہ جہت لیے ہوئے ہیں۔ عام طور پر شاعر اپنے محسوسات کو شاعرانہ اسلوب کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں لیکن اقبال اپنے تخیل کو سوچ اور فکر کی بھٹی سے گزار کر "فلسفۂ حیات" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اقبال کی خودی کہیں مرکزِ کامل ہے۔ اس خاص مرکز میں ساری دیکھی دنیا اور ان دیکھی دنیا شامل ہے۔ اگر خودی حاصل نہ تو انسان حاصل دنیا کو بھی گنوا دیتا ہے۔ اس کی اپنی دنیا کی موت ہے۔

؎ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے، خدائی

؎ ہر چیز ہے محوِ خود نمائی
ہر ذرہ شہیدِ کبریائی
بے ذوق نمودِ زندگی، موت
تعمیرِ خودی میں ہے خدائی

اقبال خودی کی پرورش اثبات سے کرتے ہیں۔ اگر خودی کی پرورش صحیح وقت پر نہ کی جائے تو فنا ہو جاتی ہے۔ اقبال کی خودی زندگی کے تحفظ کی ضامن، استحکامِ زندگی، افکار کی پرورش اور ان گنت نئے جہانوں سے روشناس کرواتی ہے۔

؎ خودی کیا ہے، رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے، بیداریِ کائنات

؎ ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے
زمانے کے دھارے میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی

؎ ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

# اقبال کا فلسفۂ خودی

سجل راجہ (اسلام آباد)

اقبال کی خودی جہاں بے شمار وسعتوں اور بلندیوں کی دنیا اپنے اندر لیے ہوئے ہے وہاں فقر میں بھی شہنشائی کے مزے لیتے نظر آتی ہے۔

ے خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے کراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پر نیان و حریر

اقبال کے نزدیک خودی کے دو پہلو ہیں:

1) نفسِ فعال Effective Self
2) نفسِ بصیر Appreciative Self

نفسِ افعال کی تشریح زمان و مکان کے پیمانوں سے ہوتی ہے جبکہ نفسِ بصیر حیاتِ الٰہیہ سے براہ راست فیض یاب ہوتا ہے۔ خودی کی خصوصیات میں وحدت اور خلوت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خودی کی موت کو اقبال نے مشرق کے لیے جزام سے گہرا مرض قرار دیا ہے۔

اقبال کے فلسفۂ خودی نے اردو ادب کو مریضانہ ماضی پرستی سے نجات دلا کر ایک نئی جہت عطا کی۔

اقبال کی خودی تکبر سے نکل کر "قرب" کے معنوں میں استعمال ہونے لگی۔ جب خودی کو عشق و محبت اور فقر و غنا کے ذریعے مستحکم کیا جائے تو کائنات کی وسعتیں انسان کے بس میں ہو جاتی ہیں۔ خودی کو مثبت کاموں میں استعمال کرنے کے لیے خودی کی تعمیرِ نو کے ساتھ ساتھ تادیب بھی بے حد ضروری ہے۔ بے تربیت خودی راہِ وفا سے بھٹک جاتی ہے۔ اس کی بڑی مثال شیطان ہے۔ جس کی خودی نے اسے ربِ دو جہاں کا حکم بھی نہ ماننے دیا اور سجدے سے انکار کر دیا۔ اقبال خودی کی دو اقسام بتاتے ہیں۔ ایک شیطانی خودی اور دوسری یزدانی خودی۔ شیطانی خودی رکھنے والا تکبر میں مبتلا ہو کر رحمانی حکم کو بھی نہیں مانتا۔ اور یزدانی خودی رکھنے والا رحمٰن کے حکم سے بغیر ہچکچاہٹ کے آگ میں بھی کود جاتا ہے۔ اقبال خودی کی تربیت کو تین مراحل سے گزار کے کامل بناتے ہیں:

1) اطاعت الٰہی
2) ضبطِ نفس
3) نیابتِ الٰہی

# اقبال کا فلسفۂ خودی

سجل راجہ (اسلام آباد)

خودی کی تربیت و تادیب کا پہلا درجہ اطاعت ہے۔ خودی اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ رسول ﷺ پر ابھارتی ہے۔ آئینِ حیات کی پابندی خود خالقِ حیات نے ہر بشر کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ اقبال اطاعت کی مثال اونٹ سے دیتے ہیں جو بہت ہی خوددار جانور ہے۔

نفس میں اقبال ہر اس خواہش کو دبانے کی تلقین کرتے ہیں جو آئینِ اسلام سے تصادم کرتی ہے۔ خصوصاً نفسانی محبت اور خوف کے جذبات پر خودی کو غالب ہونا چاہیے۔ اقبال نے خودی کو نفس سے زیادہ طاقتور قرار دیا ہے۔

ے یہ موجِ نفس کیا ہے، تلوار ہے
خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے

اطاعتِ خداوندی اور ضبطِ نفس کے مدارج طے کرنے کے بعد انسان اس درجے پہ پہنچے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا، یعنی "نیابتِ الٰہی"۔ نیابتِ الٰہی حاصل کرنا خودی کا بلند ترین نصب العین ہے۔

انسان اللہ کا نائب ہے۔ اقبال فلسفۂ خودی کو قرآن پاک کے فلسفۂ نیابتِ الٰہی کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔

اقبال نے فلسفۂ خودی کو قرآن پاک سے اخذ کیا۔ سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال سے جب خودی کے ماخذ کے بارے میں پوچھا تو علامہ اقبال نے فرمایا قرآن پاک کھولو سورۃ الحشر کی آیت پڑھی ولا تکون الذین۔۔۔ "دیکھنا مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا"۔ خدا سے غافل کیا، خود کو بھول جاتا ہے؟ اپنے لباس، مکان بیماری صحت سے غافل ہو جاتا ہے؟ اپنے وجود اور اس کے ظاہری تقاضوں سے غافل ہو جاتا ہے؟ نہیں، ایسا تو نہیں ہوتا انسان اپنی بھوک، پیاس سے تو غافل نہیں ہوتا۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس حیوانی وجود کے علاوہ انسان کی کوئی اور بھی حیثیت ہے۔ اصل حقیقت کوئی اور ہے جب اللہ کو بھلا دیتا ہے انسان تو وہ خود اپنی اصل حقیقت سے غافل ہو جاتا ہے۔

# اقبال کا فلسفۂ خودی

سجل راجہ (اسلام آباد)

انسان میں شیطان اور فرشتہ گوندھے ہوئے ہیں۔ اللہ کو بھلا کر خود اور خودی سے غافل انسان نرا حیوان ہی ہوتا ہے۔ ایک خودی ہی اسے حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ انسانوں والے باقی تمام کام کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ تو حیوان بھی کرتے ہیں۔ ان تمام تقاضوں کا سامان تو ان کے پاس بھی ہے۔ انسانی اور حیوانی محرکات ایک ہی ہیں لیکن جب اس روح کو "امرِ ربی" سے منور کر دیا جاتا ہے تو خودی کی پالش ہوتی ہے۔ گلوبل سیولائزیشن کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے، "اللہ کو بھول جانا"۔ جب انسان خود سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ پھر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ خودی جب پرورش پاتی ہے تو رب سے تعلق کو مضبوط بناتی ہے۔ اپنی ذات و صفات کا ادراک رکھتی ہے، انا کو شکست سے محفوظ رکھتی ہے، اپنی دنیا اپنے زورِ بازو سے پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، خودی سر چشمۂ جدت و ندرت ہے، خودی یقین کی وہ گہرائی ہے جسے کوئی پیمانہ ماپ نہیں سکتا۔

؎ خودی کی یہ ہے منزلِ اولیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے، تو جہاں سے نہیں

؎ اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

خودی عقیدۂ توحید کو مضبوط بناتی ہے۔خودی عقیدۂ توحید کی تلوار کو تیز اور تابناک بناتی ہے۔ اقبال خودی کے ضمن پوری ملت اسلامیہ کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔

؎ خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ

طلب و ہدایت کے لیے کسی مردِ کامل کے آگے سرِ نیاز جھکانا اقبال کی خودی کو مستحکم کرتا ہے لیکن اگر کسی منصب یا جاہ و حشم کے لیے یہ ہی دست پھیلایا جائے تو اقبال کی خودی ضعف و تعطل کا شکار ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک فقر و استغناء خودی کی سب سے اہم شرائط ہیں۔ گدائی اور فقر میں اقبال کے ہاں بہت واضح اور خوبصورت فرق ہے۔

سجل راجہ (اسلام آباد)

گدائی دنیا کی دولت و مال کی حاجت اور دوسروں کے آگے دستِ طلب پھیلانا ہے جبکہ فقر مادی لذتوں کو ترک کر کے ان سے بے نیاز ہو کر کائنات کو تسخیر کرنا، گلہ بانی اور ہر ایک کے بارے میں سوچنا ہے۔

؎ اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہاں گیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

# دو دھیار روشنی کی موج

کنیز السیدۃ النساء العالمین

نمازِ عشاء کی اذان کے کچھ ہی دیر بعد وہ وضو کر اپنے آپ کو اِدھر اُدھر کاموں میں مصروف کر رہی تھی کیونکہ وہ اس وقت کسی کے انتظار میں تھی جو اس کے قریب خاص الخاص پایا جاتا تھا۔ آخرکار جب سب سو گئے اور تاریکی اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی، سب نیند میں گویا تہہ تک پہنچ چکے تھے، وہ جلدی سے اپنی جائے نماز کی طرف ایک مسکراہٹ سمیٹے بڑھی اور ہمیشہ کی طرح اس خاص نماز میں، بغیر کسی کے سامنے نظر میں آئے، اپنے رب سے ہم کلام ہو گئی۔ یہ وہ بہترین وقت تھا جو اس کے ہاں بہت اہمیت رکھتا تھا کیونکہ وہ ہر روز اسی طرح سب سے چھپ کر اپنے رب کے قریب ہونا چاہتی تھی۔ جب نماز اپنے زوال کو پہنچی تو وہ اس نرم کپڑے کو لپیٹے رکھنے کے لیے آگے بڑھی۔ ابھی وہ واپس مڑی ہی تھی کہ اچانک اس کی نظر قریب ایک شیشے کی لگی بڑی کھڑکی پر پڑی جس کے دوسرے طرف نیلا بڑا آسمان اور اس پر موجود ستارے اور سبزہ زار برسوں قدیم درخت لگے نظر آ رہے تھے اور اسی خوبصورت منظر کے قریب رات کی تاریکی میں ہر طرف جب اندھیرا چھا گیا تھا، چاند کی مدھم روشنی ابھی بھی اپنی کرنوں سے اندھیرے سے بھری گلیوں میں اجالا کرنے کی کوشش میں بھرپور تھی۔

وہ روشنی مدھم کچھ اس لیے تھی کہ چاند خود تو نظر نہیں آ رہا تھا مگر اپنا عکس تاریکیوں میں چھوڑے گیا تھا۔ اس کی نظر ایک دکان پر لگی لالٹین پر پڑی جو اتنا اندھیرا ہونے کے باوجود دوسروں کو راستہ دکھانے میں مگن تھی۔ یہ منظر دیکھنے میں تو عام تھا مگر اس کی تہہ اس کنیز کو الگ ہی خیالوں میں لے گئی۔ ایک منٹ کے لیے اس کی آنکھیں اشکوں سے تر ہوئیں اور وہ اس لالٹین پر محبت بھرے انداز میں نظر ڈالے کھڑی گئی وہ اپنے آپ میں سرگوشیاں کرنے لگی۔ آخر یہی لالٹین ہے جسے ان لوگوں سے کوئی فائدہ نہیں، مگر پھر بھی یہ لوگوں کو روشنی دے کر انہیں سیدھا راستہ دکھا رہی ہے اور چاند بھی دیکھا جائے تو یہی ڈیوٹی سر انجام دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ سورج اور ستارے بھی، ستارے اور یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا بھی یہی اصولِ زندگی تھا مگر ہم! ہم تو کتنے خود غرض ہو گئے ہیں اسی نبی ﷺ کی امت ہوتے ہوئے اسی اللہ کے بندے ہوتے ہوئے آخر کس بات کا گھمنڈ اس انسان کو جو اپنی ہر ایک سانس، ہر ایک چیز پر اللہ کا قرض دار ہے۔ کیوں نہ ہم بھی اسی لالٹین کی طرح بن جائیں، انہیں ستاروں، اسی چاند اور سورج کی طرح بن جائیں، سب سے بڑھ کر اسی نبی ﷺ کی طرح بن جائیں جن کی حیات ہمیں بغیر کسی فائدے کے دوسروں کی مدد کرنے کا سبق دیتی ہے۔

# شیریں الفاظ

طیبہ زاہد (جڑانوالہ)

اندھیری شب میں تیز بارش، چالیس سالہ پرانے اور بوسیدہ کمرے کی ٹپکتی چھت اور گہری خاموشی جب ہر ذی نفس ساون کے اس بہیمانہ رویے سے بچنے کیلئے اپنی اپنی جائے پناہ ڈھونڈ کر دبکا بیٹھا ہے۔ اس ویران اور اجاڑ کمرے میں ایک بظاہر جوان مگر نحیف و کمزور جسم یادوں کی شال اوڑھے تیز بخار میں تپ رہا ہے۔ جس نے زندگی کی مشکلات، مصائب و آلام کو خاموشی سے اپنی روح پہ جھیل کر جوانی میں ہی پیری کو گلے لگا لیا۔ انسان بوڑھا نہیں ہوتا بلکہ اس بے ثبات زندگی کے نشیب و فراز، ادھورے خوابوں کا بوجھ، ادھ مری خواہشات کا ڈھیر اور اپنوں کا ہجر اسے وقت سے پہلے لاغر و کمزور کر دیتا ہے کہ اس کی آہیں اس کے دل میں بسنے والے، جو اسے تنہائیوں میں سسکتا چھوڑ گئے ہوتے ہیں، نہیں سن پاتے اور وہ نیم مردہ وجود لیے باقی زندگی سسک سسک کر گزار دیتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ کا اچھا اور مثبت رویہ، پیار کے دو بول، ہمت و حوصلہ سے سجے آپ کے الفاظ جینے کی نئی راہ سجھا کر مایوسیوں، اداسیوں اور بے اعتباری کی بلند و بالا فصیلوں سے نکال کر اسے نئی زندگی بخش سکتے ہیں۔

خالد سیف اللہ (موتیہاری)

؎ زمانہ ہو گیا، گزرا تھا کوئی بزمِ انجم سے
غبارِ راہ روشن ہے بہ شکلِ کہکشاں اب تک

آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ انسانیت کے لیے سراپا رحمت اور بہترین نمونہ ہے۔ اگر تاریخِ عالم میں کوئی ایسی ہستی تلاش کی جائے جس کی پوری زندگی انسانی سماج کے ہر فرد کے لیے رہنمائی رکھتی ہو، جس کی حیاتِ طیبہ کو ہر شعبۂ زندگی کے لیے ایک بہترین آئیڈیل کے طور پر پیش کیا جا سکے تو وہ صرف ایک ہستی ہے اور وہ فخرِ کائنات سید الانبیاء محمدِ عربی ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

آپ ﷺ کی سماجی زندگی ایک بہترین اور مکمل انسانی زندگی ہے۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اخلاق کے بلند مقام پر تھی۔

اللہ نے آپ کی تعریف کی ہے:

**اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ**

"بے شک آپ اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں۔"

آپ ﷺ اخلاق پر بہت زور دیا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں۔"

اخلاق کو اتنی اہمیت اس لیے دی گئی کہ انسانی سماج کی بہتر تشکیل، اخلاقی خوبیوں کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک:

حضور ﷺ کا کافر پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا معمول تھا۔ آپ ﷺ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کسی بھی قسم کی کسی کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم اس میں ایمان نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ صاحبِ ایمان نہیں ہے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کون مومن نہیں ہے؟ فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے شرور اور تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔" (بخاری، مسلم)

# رسول اللہ ﷺ کی سماجی زندگی

خالد سیف اللہ (موتیہاری)

حاجت مندوں کی ضرورتوں کا خیال:

غریبوں، یتیموں اور ضرورت مندوں کی مدد و اعانت بھی سماج کی بنیادی ضرورت ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے نہ صرف حاجت مندوں کی حاجت روائی کا حکم دیا بلکہ عملی طور پر آپ ﷺ نے کر کے بھی دکھایا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجدِ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک عورت اپنی کسی ضرورت کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان سے اٹھ کر دیر تک مسجد کے صحن میں اس کی باتیں سنتے رہے اور اس کی حاجت روائی کا یقین دلا کر، مطمئن کر کے اسے بھیج دیا۔ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگشت مبارک سے اشارہ کیا۔ (بخاری)

آپ ﷺ کے حلم و بردباری کا ذکر:

آپ ﷺ کے اندر حلم، عفو، صبر و تحمل اور نرمی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر کر دیتے تھے۔

آپ ﷺ کا صحابہ سے دل لگی فرمانا:

ایک اچھے رہبر کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس کے رہن سہن اور ملن جلن میں اکھڑ پن نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے تمام ساتھیوں سے انتہائی خوش طبعی سے پیش آتا ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی انہی خوبیوں سے مزین ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوش طبعی اور دل لگی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (شمائلِ ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی صحابی زاہرؓ بن حرام حضور ﷺ کے لیے کچھ دیہاتی اشیاء بطور ہدیہ لایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ بھی واپسی پر اسے کچھ شہری اشیاء ہدیہ عنایت فرماتے تھے۔

# رسول اللہ ﷺ کی سماجی زندگی

## خالد سیف اللہ (موتیہاری)

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے

زاہرؓ ہمارا باہر کا گماشتہ ہے اور ہم اس کے شہر کے گماشتہ ہیں۔

آپ ﷺ زاہرؓ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ویسے زاہرؓ ایک بدصورت آدمی تھے۔

ایک دن آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو زاہرؓ کو اپنا سامان بیچتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے اسے پیچھے سے اپنے ساتھ اس طرح چمٹا لیا کہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے بغلوں کے نیچے سے لیجا کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیے تا کہ وہ پہچان نہ پائے، زاہرؓ نے کہا کہ کون ہے؟ چھوڑ مجھے۔

(پھر اس نے کوشش کر کے) مڑ کر دیکھا تو نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا (اور پہچانتے ہی) اپنی پیٹھ نبی ﷺ کے سینۂ مبارک سے مزید چمٹانے لگا۔ ادھر نبی کریم ﷺ یہ صدا بلند کرنے لگے کہ ارے کوئی اس غلام کا خریدار ہے؟

اس پر زاہرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ بخدا آپ ﷺ مجھے کھوٹا سکہ پائیں گے،

اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، لیکن تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹا سکہ نہیں ہے۔ (مشکوۃ)

آپ ﷺ کی سماجی زندگی اس قدر طویل ہے کہ جس کو اس مختصر مضمون میں سمیٹنا ناممکن ہے۔

بہرحال یہ عظیم کردار آپ ﷺ نے سماج کے ہر فرد کے ساتھ برت کر ثابت کر دیا کہ ایک انسان کو سماج میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

لہٰذا ہمیں آپ ﷺ کی سماجی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی لانے کی فکر کرنی چاہیے اور ایک صالح معاشرے کے وجود میں لانے کا سبب بننا چاہیے۔

مختصر یہ کہ آپ ﷺ کے انہی اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ عالیہ کی روشنی سے ہر دور کے انسانی سماج کو منور کیا جا سکتا ہے اور قیامت تک آنے والی انسانیت کو راہِ مستقیم پر گامزن رکھا جا سکتا ہے۔

# یاسمین ناز

قارئین محترم! میری تحریر کے مخاطب کوئی اور نہیں مگر مسلمان ہیں جو اللہ پاک کی واحدانیت کے قائل ہیں، جو محمدِ عربی ﷺ کے ماننے والے ہیں، جو نمازی ہیں، قاری ہیں، داعی ہیں، مبلغ ہیں، حکمران ہیں۔ الغرض چھوٹے سے چھوٹے پیشے سے لے کر حکمرانی کے پیشے سے منسلک ہیں۔

"جب لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا دیکھ رہا ہے میں سوچنے لگتی ہوں کیا دیکھا رہا ہے"۔ آنسو سے آنکھیں تر ہو جاتی ہیں اور اپنے مسلمانوں کی بے حسی بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آؤ مسلمانو! تمہیں 72 سال سے زیادہ عرصے سے کافروں کے نرغے میں پھنسے مسلمان مدد کے لیے پکار ہیں۔ اس بستی کی بیٹیاں چیخ چیخ کر، رو رو کر فریاد کر رہی ہیں، جن کی عزتیں کافروں کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہیں۔ آؤ مسلمانو! تمہیں مسجدِ اقصی کے گرتے ہوئے مینار آواز دے رہے ہیں۔ کوئی ہے جو رب کا ماننے والا ہو، جو اس رب کے اس گھر کے لیے لڑے۔

تمہیں فلسطینی چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں بھوک سے تڑپتے ہوئے آواز دے رہے ہیں، جن کی آنکھوں سے ڈھلکتے ہوئے آنسو دیکھ کر آسمان بھی رو رہا ہے۔ جن ماؤں بہنوں کی عزتیں صیہونی طاقتوں کے ہاتھوں برباد ہوتی دیکھ کر فرشتے بھی آہ و بکا میں مصروف ہیں۔

ظلم کی چکی میں پستے ہوئے مسلمان کے آنسو پونچھ رہے ہیں۔ کیا دنیا میں واقعی مسلمان مر گئے ہیں، اگر زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟

ان کا ایک دردناک سوال یہ ہے کہ: مسلمانوں تم کہاں ہو؟

کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو محمد بن قاسم کی تاریخ دوہرا دے، کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو غزنوی، صلاح الدین ایوبی کی تاریخ دوہرا دے؟

مسلمانو! تمہاری تاریخ بڑی درخشندہ کسی تاباں بڑے روشن ستارے کی مانند ہے جو تم نے اپنی سستی اور کاہلی اور بے حسی کی وجہ سے کھو دی ہے اور یہ حال ہے ہم نام کے مسلمان رہ گئے۔

# یاسمین ناز

ہمارا اثاثہ لٹ گیا ہے جس کو ہمارے ہی مسلمانوں نے حاصل کیا تھا۔

جن عزتوں کی حفاظت کے لیے ہمارے اسلاف لڑے تھے آج وہ عزتیں تار تار کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کا بے گناہ خون بہایا جا رہا ہے۔ پوری انسانیت لہو لہان ہے، ہر طرف ویرانی ہے، چیختی ہوئی دلخراش آوازیں، بے بسی، بے گناہی کی سزا، صہونی طاقتوں کے نرغے امتِ مسلمہ کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی دلخراش آوازیں، ہر طرف دل دہلا دینے والے مناظر، ایک خوفناک جنگل کا ساماں پیش کر رہے ہیں۔ مگر کون ہے جو بے بسی کی آواز سنے؟

کون ہے جو اپنی ماؤں بہنوں کی عزتوں کو بچانے کے لیے کھڑا ہو، جو اپنی عزت کی خاطر دریاوں کی طوفانی لہروں میں چھلانگ لگا دیتی ہیں۔ دجالی ریاست کا بچھتا ہوا جال مسلمانوں کے دل و دماغ پر قبضہ کر گیا ہے اور اب حال یہ ہے کہ ہمارے سامنے اپنے مسلمان بھائی، مائیں، بہنیں اور بچے ذبح کیے جا رہے ہیں۔

لیکن ہم مسلمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور امتِ مسلمہ خاموش تماشائی بنی یہ سب دیکھ رہی ہے، مگر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ لہذا آپ کی بیٹی آپ سے یہ استدعا کرتی ہے کہ ان بے بس مسلمانوں کے مدد کے لیے کھڑے ہو جائیں جو دور کہیں تڑپ رہے ہیں۔

خدارا اس بوڑھے باپ کا سہارا بن جائیے جس کی بیٹی کی عزت اس کی آنکھوں کے سامنے تار تار کی گئی ہے۔

خدارا اس ماں کے آنسو پونچھ ڈالیے جس کی بیٹی جھیل ڈھل کے کنارے بے بسی سے آنسو بہاتے ہوئے خدا کی نصرت کا انتظار کر رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے گرتے ہوئے گہرے گرم آنسو دیکھ کر آسمان بھی لرز رہا تھا۔

خدارا اس بیٹی پر ترس کھائیے جو اپنی عزت برباد ہونے پر خودکشی کرنے پر مجبور ہوئی تھی۔ خدارا ان معصوم کلیوں پر رحم کھائیے جو بھوک سے تڑپ کر رب سے مرنے کی فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے رب مجھے موت دے دے تاکہ میں تیری جنت میں کھانا کھا سکوں۔

# ملتِ اسلامیہ کی بیٹی کا مسلمانوں کے نام پیغام

## یاسمین ناز

خدارا قوم کی اس بیٹی پر
ترس کھایئے جو 20 سالوں سے امریکہ کی جیل میں غیر مسلم کے ہاتھوں مظالم سہہ رہی ہے۔ وہ تمھیں تڑپ تڑپ کر پکار رہی۔ خدارا اس کے لیے آواز اٹھائیں۔
میں کون سے واقعات کو
صفحۂ قرطاس پہ لاؤں، میں کیسے ان کی درد کی داستاں بیان کروں جو کئی سالوں سے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں۔
یہ آوازیں، یہ چیخیں،
میری سماعتوں سے جب ٹکراتی ہیں تو دل میں درد کی لہریں اٹھتی ہیں اور میرا قلم گر جاتا ہے اور لکھنے کے لیے کچھ بچتا نہیں۔

فقط اتنا ہی کہوں گی:
خواب غفلت میں
سونے والے مسلمانو! عیش و عشرت بڑھانے سے کیا فائدہ۔
میرے دیس کے
لوگ مر رہے ہیں اور میری قوم کی بیٹیاں لٹ رہی ہیں۔
تماشائی تماشا دیکھ رہے
ہیں اور سولی پر لٹکنے والے اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں۔

# نایاب الفاظ

ربیعہ ذوالفقار (گوجرانوالہ)

کبھی ایسا ہوتا جو چیز ہمیں مشکل لگ رہی ہوتی وہ دوسرے کے لیے آسان فہم ہوتی لیکن ہم اپنے تجربات کو ایک ڈراؤنے خواب کی طرح دوسروں کے سامنے ایسے پیش کرتے کہ سامنے والے کے ذہن میں ایسا امیج بنتا کہ جھرجھریاں آنے لگتیں ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نے "میٹرک" پاس کیا تو "ایف اے" کے لیے مضامین کا انتخاب کرنا تھا، لیکن آپا کہتیں ہیں لڑکی سوچ سمجھ کہ کوئی بھی قدم اٹھانا۔ "اسلامیات" اس میں فقہ، گردان، عربی گرائمر، بلا بلا بلا نہیں کر پاؤ گی۔ ایسا امیج بنا ایف اے چھوڑ موصوفہ نے بی اے میں بھی "اسلامیات" کا نام نہ لیا۔

اب باری آئی "ایم اے" کی، "اردو" میں غالبؔ، انگلش سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، لے دے کے وہی "اسلامیات" کام آئی۔

وہ کہتے ہیں ناں: "موسی موت سے ڈرا، موت آگے کھڑی"

آخرکار محنت کی اور پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھی۔ آج الحمدللہ ایم اسلامیات + وفاق المدارس + لغت العربیہ + ون ائیر ڈپلومہ ان اسلامک سٹڈی + لسان القرآن میں مہارت حاصل کر چکی ہوں۔

نوٹ: دوسروں کی رائے لیں لیکن انتخاب خود کریں۔ کبھی بھی کسی کو اپنے ذاتی تجربات سے نہ ڈرائیں، جو چیز ہمارے لیے مشکل، عین ممکن دوسرے کے لیے وہ مشکل نہ ہو۔

# خطرے میں کرسی ہے

محمد فرید فریادؔ

منگلا: اری سنتی ہو ٹپو کی ماں۔
بدھیا: کیا ہوا ٹپو کے پاپا۔
منگلا: اری بھاگیوان ہم سب خطرے میں ہیں۔
بدھیا: ارے ٹپو کے پاپا کیا ہوا؟
ہمیں کس سے خطرہ ہے۔
منگلا: ہمیں اس قوم سے خطرہ ہے، جو ہزار سال حکومت کرنے کے باوجود اقلیت ہی رہی۔
بدھیا: کس کی حکومت، کون ہزار سال، کون اقلیت، یہ کیا پہیلیاں بجھا رہے ہو؟ صاف صاف کہو۔
منگلا: ارے تم جانتی نہیں نیتا جی سب کہہ رہے تھے ہندؤں خبردار ہو جاؤ مسلمانوں سے تمھیں خطرہ ہے۔
بدھیا: کیا ٹپو کے پاپا تم بھی ان نیتاؤں کے چکر میں پڑ گئے؟ تم تو پڑھے لکھے ہو، یہ سب صرف اپنی کرسی بچانا جانتے ہیں۔ یہ ہمیں آپس میں لڑا کر ستہ میں بنے رہنا چاہتے ہیں۔
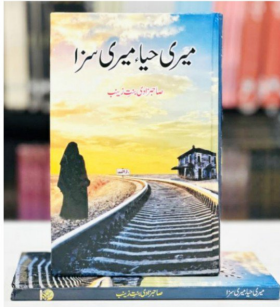
# مسجدِ اقصیٰ

صاحبزادی بنتِ زینب

مسجدِ اقصیٰ اسلام کی شہ رگ ہے۔ قبلۂ اول ہے۔ یہ ایک ایسی سر زمین ہے جہاں ہر دور کے پیغمبر کا بسیرا رہا۔ اگر ہم فلسطین کے باسیوں کی طرف نظر دوڑائیں تو دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن کو کس مٹی سے تراشا ہے اور قابلِ فخر ہیں وہاں کی مائیں جنہوں نے بچپن سے ان کے دلوں میں قبلۂ اول کی محبت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ کتنی دلیر مائیں ہیں وہ جو بچوں کے ایک ہاتھ میں دودھ کی بوتل اور دوسرے ہاتھ میں پتھر دے کر اسرائیلی فوج کے مدِ مقابل آنے کا ہنر سکھاتی ہیں، وہ عمر جو کہ بچوں کے کھیل کود میں بسر ہوتی ہے۔ ان کے دلوں کو غیرتِ ایمانی سکھاتی ہیں، انہیں سکھاتی ہیں کہ کافر کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے عمر یا ہتھیار کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ ایسا اس لیے کرتی ہیں کہ وہ بیت المقدس کے مقدس کو سمجھتی ہیں۔ وہ اسلام کی تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ اسرائیل کی خباثتوں سے باخبر ہیں لیکن لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ بیت المقدس تو ہمارا بھی قبلۂ اول ہے۔ اس کی حفاظت ہماری بھی ذمہ داری ہے۔

اس سے محبت ہمارے ایمان کا بھی حصہ ہے۔کیا ہم ماؤں نے اپنے بچوں کو اس کی اہمیت سمجھائی۔ کیا ہم ماؤں نے اپنے بچوں کو بتایا کہ صہیونیوں نے اس جگہ کو محاذِ جنگ کیوں بنا رکھا ہے۔ وہ کیوں مسلمانوں پر آئے روز حملہ آور ہوتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ یہودیوں کے لیے اہم کیوں ہے۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو اس وقت فلسطینی ہی کیوں شہید ہو رہے ہیں۔ ہم خاموش کیوں ہیں اور اگر جواب نہیں میں ہے تو خدارا اپنے بچوں کو قبلۂ اول کی اہمیت سمجھائیے۔ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ان بہنوں کو دیکھیں جن کے معصوم بچے ان کی آنکھوں کے سامنے شہادت پا جاتے ہیں۔ جن کے جوان بھائی بمباری سے اڑا دیے جاتے ہیں۔ جن کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں اغوا کر لی جاتی ہیں۔ وہ پھر بھی اپنی گود میں پلنے والے معصوموں کو قبلۂ اول کی محبت کی لوری سنا رہی ہوتی ہیں اور وقت آنے پر ہر شہادت ہنس کر گلے لگا لیتی ہیں۔

شہدائے بیت المقدس کی ماؤں
تم پر سلامتی ہو۔

# پانچواں موسم

## ناز پروین

گرمی زوروں پر ہے۔ جس سے بات کرو وہ گرمی کا رونا روتا ہے۔ اس بار موسم بھی کچھ آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔ مارچ کے مہینے میں کچھ دن شدید گرمی پڑی۔ پھر رمضان میں موسم معتدل رہا۔ عید کے بعد بے موسمی بارشیں۔ اسلام آباد میں چاند رات کو شدید بارش اور ژالہ باری۔ جون کے مہینے میں اب سورج نے آنکھیں دکھانی شروع کیں۔ کسی نے بڑی خوبصورت بات کہی کہ یہ تپش ہی آم میں مٹھاس لائے گی، گندم کی بالیوں کو سنہرا رنگ دے گی۔ ہم آج کل موبائل فون پر صبح ہی دیکھ لیتے ہیں کہ آج کا درجۂ حرارت کتنا ہو گا اور پھر اف اف کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس سے ایک بٹن کی کلک سے سارے جاننے والوں کو بھی مستفید کرتے ہیں۔ سوچتی ہوں کہ ہمارے بچپن میں یہ اے سی جیسی سہولتیں نہ تھیں، اکثر لوگ برف بھی باہر سے خریدتے لیکن گرمی کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے بلکہ گرمی کے موسم سے باقی موسموں کی طرح لطف اٹھایا جاتا۔ صبح تربوز کاٹ کر کھاتے، لسی پی جاتی، والدہ بڑے اہتمام سے قلفے کے ساگ میں چنے کی دال ڈال کر بناتیں۔ کریلے گوشت، کھچڑی بنتی۔

اکثر رات کو دہی میں چینی ڈال کر روٹی کھاتے۔ گرمی کی لمبی دوپہروں میں ایک کمرے میں سب اکٹھے ہو کر اندھیرا کر کے بیٹھ جاتے۔ اس نیم تاریکی کی خنکی میں نیند بھی خوب آتی، شام کو صبح کی بچی ہوئی روٹی کو گھی میں تل کر چائے کے ساتھ کھاتے۔ آم، آلو بخارے ایک بالٹی میں ڈال کر ٹھنڈے کیے جاتے۔ ان کا اپنا ہی مزہ تھا۔ رات کھلے صحن میں یا چھت پر چارپائیاں ڈال کر سویا جاتا۔ صرف ایک پیڈسٹل فین چلتا، گھرر گھرر کی آواز نکالتا گھومتا جامتا سب کو ہوا دیتا۔ نصف شب کے بعد موسم اتنا خنک ہو جاتا کہ پنکھا بند کرنا پڑتا۔ تاروں بھرا آسمان جسے دیکھتے دیکھتے ہی نیند کی دیوی بانہوں میں لے لیتی۔ یہ سب نئی طرز زندگی کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں۔ اب گر چہ سہولتیں میسر ہیں لیکن برداشت ختم ہو گئی ہے۔ خاص کر رات کو کمرے بند کر کے اے سی لگا لیتے ہیں جو گر چہ پل بھر میں کمرہ خنک کر دیتا ہے۔

# پانچواں موسم

## ناز پروین

وہیں روزانہ بجلی جانے کی صورت میں جہنم بھی بنا دیتا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ واپڈا والوں کو صلواتیں سناتے گزرتا ہے۔ گرمی کے موسم سے لطف نہیں اٹھاتے۔ طرزِ زندگی بدل گیا ہے۔ سخت گرمی میں بھی چکن، گوشت کھایا جاتا ہے۔ پیزا، پاستہ، برگر روزمرہ کی خوراک ہیں۔ لسی، دہی کا استعمال آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور پھر ہم کہتے ہیں کہ گرمی بہت ہے۔ خیر سردی گرمی تو چلتی رہتی ہے کل دوستوں کے ایک گروپ میں پانچویں موسم پر بحث چھڑ گئی۔ جی واٹس ایپ کے گروپ میں جس میں آسٹریلیا اور انگلینڈ گئی ہوئی سہیلیاں بھی زور و شور سے شامل ہو گئیں۔ باغ کی بہار ہے کہ دل کی بہار۔ واہ واہ کیا مزے کی بحث ہوئی کہ باہر موسم کتنا ہی سہانا ہو، دل اداس ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔

رفعت بھابھی نے انگلینڈ سے محترم عزیز اعجاز کا شعر سنایا:

جیسا موڈ ہو ویسا منظر ہوتا ہے
موسم تو انسان کے اندر ہوتا ہے

اور اگر دل میں سچی خوشی، عشق کے جذبات ٹھاٹھیں مار رہے ہوں تو باہر کا تند و سخت موسم بھی سہانا لگتا ہے۔

بقول ناصر علی سید:

عشق دے اپڑیں وکھرے موسم
گرم دسمبر ٹھنڈی مئی اے

لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے، خاص کر خواتین کو اپنے اصل جذبات کو چھپا کر، پسِ پشت ڈال کر اپنے اردگرد کے رشتوں کی خوشی کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ ایسے رشتے جن کے بارے میں پتہ ہوتا ہے کہ یہ مخلص نہیں ان کی خاطر اپنے دل کو مار کر ان کی خوشیوں میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر شاہدہ سردار نے اس صورتحال کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا کہ:

آج اپنے ضبط کو خود آزمانا پڑ گیا
جس سے بنتی ہی نہ تھی اس کو منانا پڑ گیا
چار موسم سامنے رنگوں میں آ کر بس گئے
پانچویں موسم کو دل میں ہی چھپانا پڑ گیا

اپنوں کی خوشی کے لیے عورت کتنی قربانی دیتی ہے۔ ہر عورت کے اندر ایک بڑا ہی حساس دل ہوتا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کی بھی تعریف ہو، اسے چاہا جائے، اس کی پسند نا پسند کا خیال رکھا جائے۔

# پانچواں موسم

## ناز پروین

اس کے لیے عمر کی قید نہیں لیکن ہمارے ہاں جوں جوں خواتین عمر کی سیڑھیاں چڑھتی جاتی ہیں ان کے لطیف احساسات اور جذبات کو اتنا ہی نظر انداز کیا جاتا ہے جبکہ مرد حضرات کے بارے میں بڑی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ:
"مرد اور گھوڑا کبھی بوڑھے نہیں ہوتے"
جی جبکہ عورت تو شادی اور پھر ماں بننے کے بعد اپنے احساسات و جذبات کو پسِ پشت ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔ بار بار عزت نفس کی قربانی دیتی ہے۔ اپنے اندر کے پانچویں موسم کو تھپکی دے کر سلا دیتی ہے۔ وہ سب سمجھتی ہے، سب دیکھتی ہے، بے اعتنائی، بے وفائی برداشت کرتی ہے مگر اپنے گھر گھرستی کو قائم رکھنے کی خاطر انجان بن جاتی ہے۔ بقول شاعر:

؎ میرے اندر کا پانچواں موسم
کس نے دیکھا ہے، کس نے جانا ہے
ڈگڈگی ہی نہیں بجانی مجھے
عشق کو ناچ بھی سکھانا ہے
تم جو اتنا اٹھا رہے ہو مجھے
کس کنویں میں مجھے گرانا ہے

جی ہر لمحہ اس کنویں میں گرنے کو تیار یہ وفا کی دیوی۔ لبوں پہ مسکراہٹ سجائے کرچی کرچی دل کے ساتھ پیا جی کے سنگھاسن پر اپنی خوشیوں، معصوم خواہشوں کی بھینٹ پیش کرتی رہتی ہے۔ عورت کے اندر کا پانچواں موسم بڑا سہانا ہوتا ہے۔ پھولوں، تتلیوں کے رنگ لیے، خوشبوؤں سے معطر، مادی ضرورتوں سے عاری لیکن اسے اتنا ہی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ عمر رسیدہ خواتین کے ساتھ بیٹھ کر ان کے خیالات سن کر اتنی حیرت ہوتی ہے۔ زندگی بھر کے تجربوں کا نچوڑ، قریبی رشتوں کے لگائے ہوئے زخموں سے چور دل لیکن ایک دل موہ لینے والی ادا، دلچسپ گفتگو اور کبھی کبھار گرد و پیش کو بھلا کر ایک کھنکتا ہوا قہقہہ، ایک معصوم سی خواہش کروٹ لیتی ہے کہ ان کی خوشیوں کا بھی تو خیال رکھا جاتا۔

بالی عمریا میں ایک مرد کی زندگی میں داخل ہونے والی یہ الھڑ سی لڑکی سدا یوں جھریوں والے چہرے، سفید بالوں، خمیدہ کمر کی مالک تو نہ تھی، اس کی جوانی، رنگ روپ سب اس ساتھی کے سنگ رفتہ رفتہ ڈھلتے گئے۔

# پانچواں موسم

## ناز پروین

ہاں! اس کے اندر کا موسم، پانچواں موسم ابھی بھی سدا بہار، جوان ہے۔ چاہے جانے کی، تحسین کی خواہش ابھی بھی جوان ہے۔ جھریوں زدہ چہرے میں ابھی بھی حسن کی جھلک دکھتی ہے، مدھم ہوتی آنکھوں میں اچانک دیپ جلتے دکھائی دیتے ہیں۔ پیار بھرا لہجہ، عزت و تکریم، احساس اس موسم کو اس کے اندر سے باہر لا سکتا ہے۔ بھلے باہر جون جولائی کی جھلستی گرمی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک اچھے ہمسفر کی عدم موجودگی، بے اعتنائی کے باوجود ہمدرد، مخلص دوستوں کا ساتھ بڑی نعمت ہے۔ جنہیں ایسے دوست میسر ہیں ان کا پانچواں موسم سدا بہار رہتا ہے۔ لیکن عورت کو خود کو بھی بلیدان نہیں کر دینا چاہیے۔ اپنے من کی ایک کھڑکی کھلی رکھنی چاہیے۔ کبھی کبھار جب حالات بہت گھمبیر ہو جائیں ایسے میں اس کھڑکی سے اپنے من میں جھانک کر اس پانچویں موسم سے لطف اٹھانا چاہیے۔ایک بڑی دلچسپ بات سوشل میڈیا پر پڑھنے کو ملی کہ "کچھ بھی ہو جائے، کچھ نہیں ہوتا"۔

بہت سی دوستوں نے اس بات سے اختلاف کیا کہ عورت قدرتی طور پر حساس ہوتی ہے۔ وہ یوں پتھر نہیں بن سکتی، گرد و پیش میں رہنے والوں کے رویے، بے رخی بہت متاثر کرتی ہے۔ عورت کے انہی حساس جذبات کی ترجمانی کرتے عزیز بانو کے چند اشعار:

زندگی کے سارے موسم آکے رخصت ہو گئے
میری آنکھوں میں کہیں برسات باقی رہ گئی

آس کا سورج تو ساری زندگی نکلا مگر
دن کے اندر جانے کیسے رات باقی رہ گئی

آئینہ خانہ بنا کے جس نے توڑا تھا مجھے
میری کرچوں میں اسی کی ذات باقی رہ گئی

میرا اک اک لفظ مجھ سے چھین کر وہ لے گیا
جس کے کارن آج تک وہ بات باقی رہ گئی

# غزہ کے ساحل پر بلکتے بچے

حافظ نبیل عابد

بچے سب کو پیارے ہوتے ہیں، گلی محلے میں گزرتے ہوئے۔ کسی بھی انجان بچے پر نظر پڑے تو ہمارا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے اور ہم بچے سے پیار کرنا شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح خاندان میں یا برادری میں دشمنی بھی چل رہی ہو تو بچوں کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا، کہتے ہیں لڑائی ہم بڑوں کی ہے اس میں بچوں کا کیا قصور؟

یہ تو معصوم ہیں ان کو مارنے کا یا نقصان پہنچانے کا کیا فائدہ؟

حالیہ فلسطین اور اسرائیل کی جنگ نے ہر کسی کے دل کو غمگیں کیا، اس کی وجہ اسرائیلی فوج کا غزہ کے معصوم اور ننھے بچوں کو قتل کرنا ہے۔ اسرائیل کی طرف سے مسلسل بمباری جاری ہے جس کے نتیجے میں تقریباً پانچ ہزار سے زائد فلسطینیوں کی شہادت ہو چکی اور اتنے ہی شدید زخمی ہیں اور تڑپ رہے ہیں ان میں بچے، بوڑھے اور عورتیں شامل ہیں۔

اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ اسرائیل پر حملہ حماس نے کیا، اسرائیلی فوجیوں کو گرفتار حماس نے کیا۔ میں غزہ کے معصوم بچوں کا کیا قصور؟ غزہ میں رہنے والی عورتوں کا کیا قصور؟ کیوں ان کو قتل کیا جا رہا ہے؟

امریکہ اور اسرائیل مل کر یہ سب کچھ کر رہے ہیں، فلسطینیوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ کدھر ہے انسانیت کا درد رکھنے والی این جی اوز؟ ہیومن رائٹس کے نمائندے کدھر ہیں؟ کوئی خبر کرے ان دلالوں کو کہ غزہ میں انسانیت مر رہی ہے، غزہ پر ظلم وستم کیا جا رہا ہے۔ نہیں کوئی نظر نہیں آئے گا آپ کو کیونکہ یہ بچے مسلمانوں کے بچے ہیں، ظلم مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ یہ تو سب غیر مسلم اقوام کے لیے سہولتیں موجود ہیں مسلم قوم کے لیے نہیں۔

پاکستان میں پولیو کے خاتمے کے لیے گھر گھر جا کر قطرے پلانے کا انتظام کرنے والا بل گیٹس کدھر ہے؟

اس کو غزہ میں بلکتے بچے نظر نہیں آ رہے؟ کیا اس کی آنکھیں بند ہیں اب؟ ان بچوں کی حفاظت اور کھانے پینے کا انتظام کیوں نہیں کیا جا رہا؟

# غزہ کے ساحل پر بلکتے بچے

حافظ نبیل عابد

کس بات کا ڈر ہے جو انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے؟ مسلمان تو ایک جسم کی مانند ہیں پھر ہمیں فلسطینی بچے کٹتے ہوئے کیوں نظر نہیں آرہے؟

دل خون کے آنسو روتا ہے آخر یہ سب کب تک چلے گا؟

تصاویر اور ویڈیوز ایسی دل سوز سامنے آرہی ہیں جو دیکھی نہیں جا رہی کھانے کے لیے خوراک نہیں ہے، پینے کے لیے پانی نہیں ہے، زخمیوں کو طبّی امداد اور سہولیات فراہم نہیں، ہزاروں بچے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بلک رہے ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمران غفلت کی نیند سوئے پڑے ہیں۔

یاد رکھنا اگر آج ہم نے قدم نہ اٹھایا، ہم نے اسرائیل کو ان کی زبان میں جواب نہ دیا تو جو آگ غزہ میں لگی ہے وہی آگ کل ہمارے گھروں تک بھی پہنچ سکتی ہے، اس لیے ہمیں بیدار ہونا چاہیے اور عالمِ کفر کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اسرائیل برباد ہو گا۔ امریکہ برباد ہو گا اللہ کی رحمت سے اور فلسطین آزاد ہو کر ہی رہے گا۔

# نئے زمانے کی پریاں

سبین کرن

"پری ہر گھرانے میں موجود ہوتی ہیں لیکن اسے دیکھنے کی سکت ہر کوئی نہیں رکھتا۔ جدید زمانے کی پریوں کو حسین خواب دیکھائے تو جاتے ہیں مگر تعمیراتی قدم کو اصول کے زنجیروں میں جکڑ کر پروں کو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ کامیاب اڑان نہ بھر سکیں۔ اور کچھ پر وہ خود ہی کچل دیتی ہیں۔ مگر ہمیں ان پروں کو واپس لانا ہے، منزل کی طرف مضبوط اڑان کو کامیابی کے لیے بھرنا ہے۔"

اس کے ذہن میں مسلسل وہ تلخیوں اور نفرتوں سے بھرے لہجے گھوم رہے تھے۔

جس نے نمرہ کو آہستہ آہستہ بنجر دل بنا دیا تھا۔

وہ اپنے بیت کل پر بہت غم زدہ تھا۔ وہ مزید اپنی شریک حیات کو درد دینے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے گھر کی پری کو زمانے کی پریوں کی طرح اپنے مقاصد کو کچلنا پڑے۔

بیماری میں بے بس وجود نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ جن کے پیچھے بھاگ رہا تھا، وہ سبھی دھوکا تھا اور حقیقت نمرہ جو بنا غرض آج بھی اس کے ہم پہلو کھڑی تھی۔

دنیا کی جن آسائشوں میں مگن اپنی تلخیوں پر ذرا سا غور نہ کرنے والا انسان خود کو کیسے کوس رہا تھا۔

اب اسے احساس ہوا چکا تھا اور خود ہی خود میں عہد کیا کہ وہ اپنے گھر کی پری کے خواب تکمیل تک پہنچانے میں اس کا ساتھ دے گا۔

نمرہ ہاشم کی بے قراری محسوس تو کر رہی تھی لیکن اتنے بدلاؤ کی توقع نہیں رکھتی تھی۔

ہاشم کو مخاطب کرتے ہوئے، کیا آپ کو کچھ چاہیے؟

نہیں! ہاں! نمرہ تم سے کچھ کہنا چاہا رہا تھا۔

پاس بیٹھتی ہوئی نمرہ نے کہا جی کہیں۔

زندگی اتنی جلدی ختم ہو جاتی کہ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ چند گھڑیوں کے سوائے اس دنیا میں وقت نہیں گزار۔

تم ایسے مایوسی والی باتیں کیوں کر رہے ہو؟

نمرہ نے مخاطب کرتے ہوئے ہاشم سے کہا تھا۔

نمرہ انسان کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہ زندگی اور اس میں موجود سب آسائشوں کے دھوکے کا پتا چلتا ہے۔ اگر بندہ اس بات سے بھاگنا چاہیے تو نہیں بھاگ سکتا۔ ہاشم کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

# نئے زمانے کی پریاں

سبین کرن

نمرہ اگر انسان ساری زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرے تو اسے خوش خبری ملتی ہے جنتوں کی، اسے اللہ کا وعدہ سچ ہوتا نظر آتا ہے اور اس کے نا ختم ہونے والی آسائش اور سکون کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔
مگر افسوس میں عارضی آسائش کے پیچھے اپنے انجام کو بھول بیٹھا تھا۔
میں نے عارضی سکون تو پایا مگر اس کے بدلے ہمیشہ والی سزا کا سامان اکٹھا کیا تھا۔ میں نے تیرے ساتھ بہت برا سلوک رکھا ہے۔ اپنے کیے پر شرمندہ ہوں مگر میں کون کون سی خطا کی معافی تم سے مانگوں۔
ہاشم مجھے تم سے کبھی کوئی شکوہ نہیں تھا۔ ناراض ہونے کے لیے شکایت کا ہونا ضروری ہے اور تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ زندگی میں کوئی ایسا انسان ضرور ہوتا ہے جس کی کوئی چیز بھی انسان کو بری نہیں لگتی، جس پر کبھی غصہ نہیں آتا۔ جس سے ناراض ہونے کی کوشش کریں بھی تو نہیں ہو سکتے، میرے لیے وہ صرف تم ہو ہاشم!
نمرہ کو مخاطب کرتے ہوئے ہاشم نے کہا تھا کہ تم میری کتنی فکر کرتی تھی مگر میں نے تو کبھی ایسا حق ادا نہیں کیا، نمرہ میں تیری محبت کے قابل کبھی نہیں تھا۔
محبت میں کبھی برابری نہیں دیکھی جاتی ہاشم اور جو برابری کرتے ہیں، وہ خود غرض ہوتے ہیں۔
نمرہ! میں مر گیا تو مجھے تم یاد رکھو گی کیا؟
میں جانتا ہوں تم مجھے یاد بھی کیوں رکھو گی؟
جبکہ میں نے اپنی زندگی میں تمہیں کوئی سکھ نہیں دیا تھا۔
رب نہ کرے تمہیں کچھ ہو۔
معمولی سا بخار ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے، ہاشم سے مخاطب ہوتے اس بار نمرہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھی۔ نمرہ کی نم آنکھیں اس سے اب برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔
ارے پاگل سنو! مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ جب تک تمہاری ذمہ داری مجھ پر ہے، اللہ کیسے مجھے اٹھائے گا۔ نمرہ کی نم آنکھیں لمحوں میں ہی خوشی میں بدل گئی تھیں۔
نمرہ کا ہاتھ تھامے ہاشم، سنو تمہارے سارے خواب کو تکمیل تک پہنچائے گا، یہ ہاشم آج تم سے وعدہ کرتا ہے۔

# نئے زمانے کی پریاں

سبین کرن

کیا سچ میں میرے خواب تم پورے کرو گے ہاشم؟
ہاں! وعدہ کرتا ہوں، جب تک جسم میں دم اور یہ سانسیں رواں ہیں، میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں نمرہ۔
مگر ہاشم میں خواب تو بہت حسیں رکھتی تھی جس میں میرے خدا اور مجازی خدا کی رضا ہو۔
یہ سن کر وہ بہت خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس کی پری کا دل صرف میرا منتظر تھا اور ہمارے خاندان میں یہ نظام تھا کہ ہم سب لوگ اپنی زندگی میں مگن ایسی ریس میں دوڑ رہے تھے۔ جہاں کوئی بریک لائن نہیں تھی۔ یہ دوڑ تب ختم ہوتی جب انسان جھک جاتا ہے اور اس کمزوری کے بعد دوبارہ نہیں اٹھ سکتا۔ ہاشم کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا تھا اور اب وہ اپنے محبت سے بھرے پاکیزہ رشتے کو اس کی زندگی انجوائے کرنے دینا چاہتا تھا۔ اس کو وہ خواب دیکھنے کی اجازت دینا چاہتا تھا جو وہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے وجود میں اس کی شخصیت میں خامیوں کی اتنی میخیں اتنی بے رحمی سے نہ ٹھونکیں کہ ساری عمر ان سے رسنے والا لہو اس کے وجود کو آلودہ رکھے۔
دنیا و آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا شعور ہاشم کو سمجھ آ چکا تھا۔
وہ زندگی کے مقاصد جان کر اسے ترک کرنے کو تیار تھا۔
آپ بھی ہاشم کی طرح اپنی "فتنوں سے بھری راہوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ زندگی کے مقاصد پہچان کر اس کے پیچھے لگ جائیں، جہنم کی آگ سمجھ جائیں، آپ بھی نکل سکیں گے، اللہ کے آگے کھڑے ہو کر جواب دینے کی حقیقت سمجھ جائیں تو بچ جائیں گے۔"
جو جتنے کا حقدار ہے اسے آخرت میں اپنے انعام کی خاطر اتنا ہی انتظار کرنا پڑے گا۔ اس بات کو ہاشم جان چکا تھا۔

# نمایاں رنگ (ہماری داستاں)

## خدیجہ اکرم ملھی

میں نے تو سنا تھا۔ خواب پورے ہو جایا کرتے ہیں۔ امیدیں وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ خواب بکھرا نہیں کرتے، چاہتیں کم نہیں ہوتیں۔ پنچھی آزاد ہوتے ہیں۔ پر کٹا نہیں کرتے۔ کرنیں مندمل نہیں ہوتی۔ چاند چمکتا رہتا ہے۔ ہوائیں تھمتی نہیں قیدی آزاد ہو جایا کرتے ہیں۔ زمانے بدلا نہیں کرتے۔ قوسِ قزح قائم رہتی ہے، دوستیاں دور تک نبھائی جاتی ہیں۔ انسان بکھرا نہیں کرتے۔ بہار میں پتے اترا نہیں کرتے۔ خزاں جلد گزر جاتی ہے۔ آئینہ جھوٹ بولتا ہے۔ جانور احساس نہیں رکھتے۔ زندگیاں گزر جاتی ہیں۔

اتفاق ختم نہیں ہوتے۔ انسان مٹا نہیں کرتے، آنسو معدوم ہو جاتے ہیں۔ لوگ رکا نہیں کرتے۔ ہمیشہ پہیے گھومتے رہتے ہیں لمحات بدل جاتے ہیں۔ باتیں بھول جاتی ہیں۔ دیے جلتے رہتے ہیں۔ دوست سلطنت ہوتے ہیں، ہم اپنے دل کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ دنیا ہمیں اہمیت دیتی ہے لوگ سیاہ رنگ پسند کرتے ہیں۔ محبت کا رنگ لال ہوتا ہے ہم مڈل کلاس لوگوں کی زندگی ٹھنڈی آہیں بھرتے گزرتی ہے۔ ہاں۔۔۔! ہم لوگ فقط جھوٹ بولتے ہیں۔

بشریٰ نصراللہ

ہانیہ منہ بسور کر بیٹھ گئی عمر کے لاکھ منانے پر بھی ماننے میں نہیں آ رہی عمر نے امی جان کو بلایا اور ہانیہ اور اپنے جھگڑے کے بارے میں بتانے لگا ہانیہ عمر کی ساری باتیں خاموشی سے سن رہی اور سوچ رہی کے میری غلطی ہونے پر بھی کس طرح ہر الزام خود پر لے کر امی جان کو سفارشی بنا رہا ہے مجھے منانے میں ہانیہ اور عمر روبینہ بیگم کی دو ہی اولادیں ہیں جو اللہ پاک نے شادی کے دس سال گزرنے کے بعد ان کے نصیب میں لکھی گئی تھی عمر کے اس حصے میں بھی وہ وہ اپنی اولاد کی نوک جھوک میں بچوں کی طرح حصہ ڈالتی رہتی انھی کے دم سے زندہ تھیں دنیا کی ہر آسائش ہونے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا کسی امتحان سے کم نہ تھا امی جان نے عمر کی مدد کی اور ہانیہ کو ماں بیٹے نے مل کے اسکو مارکیٹ لے جا کر اسکی پسند سے چیزیں دلانے کا وعدہ کرتے ہوئے عمر اپنے دوست کے گھر رات رکنے چلا گیا جب کہ ہانیہ آج رات امی جان کے کمرے میں سونے کا ارادہ رکھتی تھی۔

رات کے آخری پہر اچانک آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا ہر طرف رونے دھونے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا ماں بیٹی بھاگتی ہوئی باہر کو دوڑی اور صرتحال کو سمجھنے کی کوشش کی۔

کچھ فاصلے پر اسرائیلی بمباروں نے بم سے گزہ پر حملہ کر دیا تھا ہر طرف لمبی ،اونچی حسین عمارتیں ہی نہیں گزہ کے لوگوں کے ارمان زمین بوس ہو چکے تھے گزہ موت کا میدان بن چکا تھا ہر طرف چیخیں اور لاشوں کے لاشے نظر آ رہے تھے انسانیت اسرئیل کی حیوانیت پر صف ماتم تھی اچانک ہانیہ کے منہ سے عمر نکلا روبینہ بیگم کے کلیجے کو کچھ ہوا اور ہانیہ بھاگم بھاگ عمر کے دوست کے گھر کی طرف دوڑی جو کے بمباروں کی زد میں آ چکا تھا ہانیہ کے وہاں پہنچتے ہی نظر عمر کے دوست کے گھر پر پڑی اس جگہ گھر کا نام و نشان تک نہ تھا۔

# سلگتی غزہ

بشریٰ نصراللہ

یہاں تو مٹی کے ڈھیر کے علاوہ کچھ نہ تھا اس کا جان سے پیارا بھائی جس سے لڑائی کی تھی اور وہ اسکو منانے کے لیے ماں کو اپنا سفارشی بنا کر لیا تھا اس کے ناز نخرے اٹھانے والا بھائی اسرائیلی حوانیت کے ہاتھوں شہید ہونے کا درجہ پا چکا تھا ہانیہ نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اپنے پیارے بھائی کو چھونے کی کوشش کی جو کے باقی شہیدوں کی صف میں لیٹا ہوا تھا اپنے جان سے پیارے بھائی کو ہاتھ لگاتے ہوئے اسکی نظریں آسمان کی جانب تھی جیسے کہ رہی ہو اللہ ہم راضی ہیں تیری رضا میں۔

اتنے میں روبینہ بیگم بھی آ گئی اور پیار و محبّت سے اپنے لخت جگر کو سینے سے لگایا اور آنسوؤں کے ساتھ سلگتی گزہ کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا۔

(سوچنے کی بات) یہ صرف ایک گھر کی کہانی ہے روبینہ بیگم نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں اپنا جوان بیٹا اللہ کی رہ میں قربان کیا اور زبان پے نہ شکوہ نہ شکایت بلکہ مسکراتے ہوئے اللہ کے فیصلے پے صبر کیا۔

سلام غزہ کی ماؤں، بہنوں کو۔ اب بحیثیت مسلمان ہمیں بھی سوچنا چاہئے کے ہم سلگتی گزہ کے لیے کیا کر رہے ہیں جب آخرت میں ہم سے سوال ہوگا تو ہم کیسے اللہ پاک کو منہ دیکھائیں گے۔

گریباں اپنے میں بھی جھانک کر دیکھیں کبھی خدا کے سامنے جانے میں کوئی ڈر تو نہیں؟

# کامیابی کا سفر کبھی ہموار نہیں ہوتا

رابعہ ذوالفقار (گوجرانوالہ)

6 ماہ کی تھی شفقت پدری سے محروم ہوگئی تھی ترقی کا راستہ کبھی ہموار راستوں سے طے نہیں ہوتا۔

اپنی ذات سے مخاطب میں: تم جانتی ہو؟ بھلا تم کیسے نہیں جانتی ہو گی؟ مشکلات کا سفر ساتھ ہی تو طے کیا وہ پرائمری سکول میں پڑھنے والی آج ہاتھ میں قرآن لیے بیٹھی ہے، تم جانتی ہو پیاری یہ ہاتھ میں قرآن تیرے رب کی رحمت اور محبت کا رنگ ہے، تمھاری ماں کی انتھک محنت ہے جس نے اپنی راتوں کی نیندیں قربان کیں، جوانی گھلا دی، ہوش کے ناخن لینا کبھی ماں کو رسوا نہ کرنا کیوں؟

تجھے تیرا رب بھی یہی نصیحت کرتا ہے: "اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "اف" تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔"

تمہیں خود کو بدلنا ہوگا، بدلو گی نہ خود کو؟ تم نے سنا ہے نہ پھول ہوں کانٹیں بھی ہو گئے پانی ہے تو طوفاں بھی ہوگا۔ کبھی تم نے پانی کو چٹان سے ٹکراتے دیکھا ہے؟

یہ پانی کی کوشش ہے، کبھی پانی بھی چٹان سے استقال کر جاتا ہے تو یہ معاشرہ ہے تم نے کوشش نہیں چھوڑنی، یہ معاشرہ چٹان ہے۔ کاؤنٹلس لوگ اللہ کی طرف آئیں گے تمھاری کوشش کرنے کی وجہ سے، ہمت نہیں ہارنی شہزادی! تم تو داعی الی اللہ ہو۔ تمھاری زندگی کا مقصد ہے۔ قرآن میں آتا ہے ناں:

**ربنا ما خلقت ھذا باطلا**

"اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا ہے"۔

تو پھر سوچو وہ رب تمھیں کیسے ضائع کر سکتا ہے؟

چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر نہ لیا کرو۔ سب اپنے رب سے کہہ دیا کرو۔

**الا یعلم من خلق وھو اللطیف**

"کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا اور وہ نہایت باریک بین، خوب جاننے والا ہے"۔

# علامہ محمد اقبال

ردا امانت علی (فیصل آباد)

علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ علامہ محمد اقبال برصغیر کے وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے ایک نئی سوچ، نئے مستقبل کے لیے لوگوں کے دلوں میں ایک نظریہ پیش کیا۔ علامہ محمد اقبال کا اصلی نام محمد اقبال تھا۔ ان کے آبا و اجداد کشمیری برہمن تھے لیکن اسلام قبول کر کے سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے۔ علامہ محمد اقبال کے والد شیخ نور محمد زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن دیندار تھے اور علماء کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ علامہ محمد اقبال کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی۔ پرائمری، مڈل اور میٹرک کے امتحانوں میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو کر وظیفہ لیا۔ ایف اے اسکول سیالکوٹ سے پاس کر کے بی اے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اقبال نے 1899ء میں فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور اسی کالج میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ 1905ء میں وہ مزید تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

علامہ محمد اقبال نے کیمبرج اور میونخ یونیورسٹیوں سے فلسفہ میں اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کیں۔

علامہ محمد اقبال نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ ان کا ایک شعر:

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔

اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔ علامہ محمد اقبال کو دورِ جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے۔

پی ایچ ڈی کے لیے ان کے مقالہ کا موضوع: "ایران میں ما بعد الطبیعات کا ارتقاء" تھا۔ پی ایچ ڈی کے حصول کے بعد انہوں نے لندن سے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔

# علامہ محمد اقبال

ردا امانت علی (فیصل آباد)

وطن واپس آ کر وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر کیے گئے اور ساتھ وکالت بھی کرتے رہے جس کی کالج نے انہیں خصوصی اجازت دے دی تھی۔ بعد میں انہوں نے کالج کی ملازمت چھوڑ دی اور وکالت کو ہی اپنا پیشہ بنا لیا۔ 1890ء کے ایک طرحی مشاعرہ میں علامہ محمد اقبال نے

؎ موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

کے محض 17 سال کی عمر میں اس وقت کے شعراء کو حیران کر دیا۔ اس کے بعد علامہ محمد اقبال انجمنِ حمایتِ اسلام کے جلسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے۔ کچھ عرصہ تک ان کی شاعری خاموش رہی لیکن پھر ان کی قومی و ملی نظموں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ان کی شہرتِ دوام کا باعث بنا۔ ان میں "شکوہ"، "شمع و شاعر"، "خضرِ راہ" اور "طلوع اسلام" انجمن کے جلسوں میں پڑھی گئیں۔

1900ء میں انجمن کے ایک جلسے میں انہوں نے اپنی مشہور نظم "نالۂ یتیم" پڑھی جو بہت ہی مقبول ہوئی کہ اجلاس میں یتیموں کی امداد کے لیے روپیوں کی بارش ہونے لگی اور آنسوؤں کے دریا بہہ گئے اور نظم کی ایک ایک مطبوعہ کاپی چار چار روپے میں فروخت ہوئی۔ علامہ محمد اقبال کی شاعری میں مقصد کو اولیت حاصل ہے۔ وہ اپنے کلام سے اقوام مشرق پر چھائی کاہلی اور جمود کو توڑنا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ عشق، عقل، مذہب، زندگی اور فن کو ایک مخصوص زاویہ سے دیکھتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا کلام محض فلسفیانہ اور حکیمانہ ہے اور اس میں شعریت کی کوئی کمی ہے۔ ان کے مفکرانہ کلام میں بھی سوز اور جذبہ کا گہرا گداز شامل ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں اردو کے کلاسکی سرمایہ سے استفادہ کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ اردو شاعری کو نئی نئی اصطلاحات، تشبیہوں اور رموز و علائم کا اک خوبصورت ذخیرہ بھی عطا کیا۔

علامہ محمد اقبال نے 1930ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنا نظریہ پیش کیا تھا۔

# علامہ محمد اقبال

ردا امانت علی (فیصل آباد)

یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ اسی وجہ سے علامہ محمد اقبال کو پاکستان کا نظریاتی باپ سمجھا جاتا ہے۔ گو کہ انہوں نے اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن انہیں پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔ علامہ محمد اقبال کی پہلی شادی طالب علمی کے زمانے میں ایک معزز خاندان کی بیٹی سے ہو گئی تھی جس میں سے ان کا ایک بیٹا آفتاب اقبال ہے۔ معروف خاتون عطیہ فیضی سے بھی علامہ محمد اقبال کی دوستی رہی جو خود بھی تعلیم کی غرض سے لندن میں مقیم تھیں اور جنہوں نے دانشورانہ ادبی و علمی مذاق رکھنے والی اک ماڈرن ہندوستانی خاتون کی حیثیت سے اعلیٰ سماجی حلقوں میں اپنی جگہ بنا لی تھی۔ مزاجوں میں مطابقت کی وجہ سے دونوں میں قربت پیدا ہوئی۔ لندن سے واپسی کے بعد بھی دونوں میں خط و کتابت جاری رہی۔

اردو شاعری پر بہرحال عطیہ کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے علامہ محمد اقبال کو ریاست حیدرآباد کی ملازمت سے شد و مد کے ساتھ روکا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ درباری علامہ محمد اقبال کی بے پناہ خلاقانہ صلاحیتوں کے لیے سمِ قاتل ثابت ہو گی۔ علامہ محمد اقبال کی شاعری بنیادی طور پر حرکت و عمل اور مسلسل جد و جہد کا مطابہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے یہاں بعض اوقات یہ جد و جہد حصولِ مقصد کے وسیلہ کی بجائے خود مقصد بنتی نظر آتی ہے۔

انہوں نے زبان کو حسبِ ضرورت برتا، کہیں روایت کا اتباع کیا تو کہیں اس سے انحراف۔ بقول رشید احمد صدیقی اقبال کی نظموں کا شباب ان کی غزلوں کی شراب میں ڈوبا ہوا ہے۔

اقبال نے اردو شاعری سے حزن و قنوطیت کے عناصر ختم کر کے اس میں رجائیت، جوش اور نشاط آفرینی پیدا کی۔

# علامہ محمد اقبال

ردا امانت علی (فیصل آباد)

اقبال کے یہاں فکر اور جذبہ کی ایسی آمیزش ہے کہ ان کے فلسفیانہ افکار ان کی داخلی کیفیات و واردات کا آئینہ بن گئے ہیں۔ اسی لیے ان کے فلسفہ میں کشش اور جاذبیت ہے۔ اقبال نے اپنے عہد اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کو ایسی زبان دی جو ہر طرح کے جذبات اور خیالات کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کر سکے۔ ان کے بعد شروع ہونے والی ادبی تحریکیں کسی نہ کسی عنوان سے ان کے سحر میں گرفتار رہی ہیں۔

اردو کے تین عظیم شاعروں میں میرؔ کی شاعری اپنے قاری کو ان کا معتقد بناتی ہے، غالبؔ کی شاعری مرعوب و مسحور کرتی ہے اور اقبالؔ کی شاعری قاری کو ان کا گرویدہ اور شیدائی بناتی ہے۔ علامہ محمد اقبال کی روایت میں ایسی قوت ہے جس کی تازگی میں امکانات کی اک دنیا آباد ہے۔

1935ء میں عید کے دن سویاں کھانے کے بعد ان کا گلا بیٹھ گیا۔ ڈاکٹروں کے مطابق ان کے حلق میں رسولی پیدا ہو گئی تھی۔ بجلی کے علاج سے کچھ افاقہ ہوا لیکن آواز پوری طرح بحال نہیں ہوئی۔ وکالت کا کام بند ہو گیا۔ ایسے میں ریاست بھوپال نے داد رسی کی اور 500 روپے ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ان کی دوسری بیگم کا انتقال 1935ء میں ہو گیا تھا، جو دو کمسن بچے چھوڑ گئی تھیں۔ ان کی تربیت کی پریشانی نے اقبال کی صحت اور زیادہ بگاڑ دی۔ ان کو دمہ کے دورے پڑنے لگے۔ کھانستے کھانستے بیہوش ہو جاتے تھے۔ دسمبر 1937ء میں مرض نے شدت اختیار کر لی اور 21 اپریل 1938ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

فائزہ شہزاد

سجاد میرے خالہ زاد بھائی (بھائی کہتے ہوئے نجانے بچپن سے ہی دل کو کچھ ہوتا ہے، حلق میں بھائی نما گولے پھنس جاتے ہیں) مجھے اور امی کو شروع سے ہی بہت پسند تھے۔ امی کو ایک بار میں نے ابا جی سے باتیں کرتے سنا کہ اس بار جب صفیہ کے ہاں جاؤں گی تو اپنی ننھی اور سجاد کی بات کروں گی بلکہ پکی ہی کر کے آؤں گی۔ بس میں نے وہ بات دل میں بٹھا لی اٹھتے، بیٹھتے سجاد بھائی (اف حلق تک کڑوا ہو جاتا ہے) کے سنگ سنگ خود کو ہر وقت تصور میں دیکھتی۔ کبھی باغوں میں تو کبھی کھلیانوں میں، خوبصورتی کا شاہکار یہ سرخ و سفید کشمیری سیب جیسا رنگ، یہ موٹی موٹی بھوری آنکھیں کسی ہرنی کی مانند، جب وہ قہقہہ مار کر ہنس کر میری جانب دیکھتے تو گویا دل پسلیوں میں آ جاتا اور جان ہی لے لیتے۔ خالہ کا خط آیا کہ سجاد کی ماشاءاللہ سے نوکری ہوگئی ہے بینک میں۔ اب میں اس کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہوں تمہاری نظر میں بھی کوئی ہو تو بتانا۔

بس جی امی نے فوراً حلوائی سے 2 کلو مٹھائی لی۔ میں نے دل و جان سے سبز کاغذ میں پیک کی اور اس پر یہ سرخ رنگ کے مارکر سے دل اور تیر کا نشان بنا کر یہ بڑا بڑا مبارک ہو لکھا، دل تو تھا کہ اماں ساتھ لے جائیں۔ ایک نظر دیکھ لوں مگر اماں نے کہا "ارے ننھی کچھ دنوں کی تو بات ہے وہ خود ہی آجائیں گے" اور میں شرما کر رہ گئی اور اماں رات کی ٹرین سے سرگودھا چلی گئیں اور میں دن میں بھی تارے گننے لگی اور ہر وقت یہ گیت گنگناتی "کاٹے نا کٹے رے رتیاں، سیاں انتظار میں" خود کو شبنم اور رانی سمجھتی مگر اماں تو دو دن بعد ہی آ گئیں۔ چپ چپ سی اداس سی، نظریں چراتی، میں نے پوچھا: "اماں! سب خیر تو ہے نا؟" تو بولیں بس ننھی تیرا نصیب نہیں تھا۔ میں نے جب صفیہ کو کہا تو اس نے کہا باجی! ایسی باتیں نا کریں نا سجاد مانے گا اور نا ہی آپ کے بھائی، آپ کے بھائی کا دوست ہے اس کی بیٹی کے ساتھ ان کا ارادہ ہے اور سجاد کی بھی مرضی ہے۔

# خوشی کے رنگ

فائزہ شہزاد

یہ سب سن کر مجھے سخت غصہ آیا کہ آخر مجھ میں کیا کمی تھی؟ بس رنگ کالا ہے کوئل کی مانند، آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہیں۔ چینی اور جاپانی لڑکیوں کی مانند، قد چھوٹا ہے تو کیا ہوا شاعر حضرات تو اسے بوٹا قد کہتے ہیں اور رہی تعلیم کی بات تو اگر آٹھویں فیل (پانچ بار) تھی تو اس میں میرا نہیں سجاد کا ہی قصور تھا جس کی وجہ سے پڑھائی میں دل نہ لگتا تھا۔ کاپی، کتاب کے ہر ہر صفحے پر ان کا ہی عکس نظر آتا تھا ورنہ میں تو کے جی میں بھی اول آئی تھی اور اماں نے سارے محلے میں مٹھائی بانٹی تھی۔ آخر پورے محلے میں میں واحد بچی پاس ہوئی تھی۔ اماں آپ کو چاہیے تھا کہ خالہ کو کہتی کہ رکھو اپنا بیٹا اپنے پاس۔ اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ لڑکے اتنے سرخ و سفید ذرا بھی اچھے نہیں لگتے اور آنکھیں اتنی موٹی باہر کو ابلی وہ بھی بھوری سی گائے جیسی اور قد دیکھا ہے کیا؟ اونچی ایڑی والی پشاوری چپل نا پہنیں تو مجھ سے پانچ، سات انچ ہی لمبا ہو گا اور ایم اے کر لیا تو کیا ہوا ہر دوسرا بندا کر رہا ہے (انگور کھٹے جو تھے) اور تو اور اماں مٹھائی بھی دے آئی لے کر آتی واپس اور دل کے ارماں آنسوؤں میں چھپائے میں کمرے میں چلی آئی اور پھر ہزاروں کوسنے دیئے کہ اللہ کرے سجاد تیری دلہن کالی ہو، ٹھگنی ہو، بھینگی ہو اور تو اور اسے رات میں چلنے کی بیماری بھی ہو اور تو ساری رات اسے ڈھونڈتا رہے۔ دو ماہ بعد شادی پر جانا ہوا مگر میں دلہن دیکھ کر سٹپٹا کر رہ گئی کہ ہائے اللہ جی مجھ دکھیاری کی اک بھی دعا قبول نا ہوئی دلہن اور دلہا گویا چاند، سورج کی جوڑی تھی۔ بوجھل دل لیے میں گھر واپس لوٹ آئی اور آخر میرا بھی سسرال سے بلاوا آ گیا اور میں نے اماں سے کہہ دیا کہ ان کو انہیں بلانا اور ساری زندگی ان کو نا ملوں گی۔ اتنے برس گزر گئے بچے جوان ہو گئے مگر دنیا گول کے مصداق چچا ظہور کی پوتی کی شادی میں جیسے ہی میں اندر داخل ہوئی تو سامنے ہی سجاد بھا بھا پر نظر پڑی۔ ظالم ویسے کے ویسے ہی خوبصورت بلکہ سفید بالوں کے ساتھ تو گویا مزید خوبصورت لگ رہے تھے یا پھر میری محبت کا کمال تھا جو آج بھی جوان تھی۔

# خوشی کے رنگ

## فائزہ شہزاد

میں نے ادھر ادھر دیکھا تو ان کی بیوی نظر نا آئی۔ دل میں کمینی سی خوشی ہوئی کہ شاید گزر چکی ہے۔ پھر بھی تسلی کی خاطر یا پھر اخلاقاً پوچھا (ورنہ کس کمبخت کا دل تھا کہ اس چورنی کا نام بھی لوں جو میرے ہیرو بلکہ ہیرے کو مجھ سے چرا لے گئی تھی) میں نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا: ارے! آپ کی بیگم نظر نہیں آ رہی کہاں ہے؟ تو وہ افسردہ لہجے میں بولے وہ ادھر کونے میں بیٹھی ہے۔ بیچاری زیادہ چل پھر نہیں سکتی، آرتھرائٹس کی بہت تکلیف ہے جو سردیوں میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ میرے تو گویا من میں ٹھنڈ سی پڑ گئی بھاگی بھاگی گئی اور ایسے شانت ہو گئی کہ کیا بتاؤں کیونکہ میرے سامنے جو عورت بیٹھی تھی اس میں اور پچیس سال پہلے والی خاتون میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

کہاں وہ سمارٹ سی ایکٹو سی اور کہاں یہ جو اٹھ کر ملنے سے بھی عاجز۔ میں اس رات گھر واپس آئی تو بہت کمینی سی خوشی اور سرشاری سی محسوس ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ لو جی! جس کی خاطر مجھے ٹھکرایا تھا وہ کیسی بدل گئی ہے جبکہ میں آج بھی ویسی کی ویسی ہی ہوں۔ میاں جی ہمیشہ طعنے مارتے ہیں کہ لڑکیاں شادی کے بعد بدل جاتی ہیں مگر تم تو ذرا بھی نہیں بدلی۔ ویسی ہی کالی، سوکھی، چمرخ سی، چھدرے چھدرے سے بال اور ویسی ہی بدمزاج (کریلا اوپر سے نیم چڑھا) اور آج میرے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی کہ "ہم تو بھئی جیسے ہیں ویسے رہیں گے" اور یہ ہی گنگناتے ہوئے ایک لمبی مدت کے بعد میں سکون سے سو رہی تھی۔

# صحت مند معاشرہ

## عفت خان (کراچی)

جعفر: یار عباس معاشرہ دن بہ دن بگڑتا جا رہا ہے۔ نفسا نفسی کا دور ہے۔ عدم برداشت اور مفاد پرستی عروج پر ہے۔

آفس کے ٹیبل پر سر جعفر انٹر کام پر چائے کے احکامات جاری کرتے ہوئے اپنے دیرینہ دوست سے معاشرے کا رونا رو رہے تھے۔

عباس پر سوچ نگاہوں سے دوست کا چہرہ تک رہا تھا کہ اس معاشرے کا حصہ تو ہم بھی ہیں کیوں نہ اس بیمار معاشرے کو صحت مند معاشرے میں تبدیل کرنے کی ابتداء اپنی ذات سے کی جائے۔

اتنے میں آفس بوائے چائے کا ایک کپ عباس اور دوسرا سر جعفر کو پکڑاتے ہوئے لڑکھڑایا اور ساری چائے سر جعفر کی نئی چمکتی شرٹ کو داغ دار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بازو بھی جلاتی گئی۔

سر جعفر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آفس بوائے کے گال پر پانچوں انگلیوں کے نشانات چھوڑتے ہوئے نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہ نظر نہیں آتا۔

اور عباس معاملہ رفع دفع کرتے ہوئے آفس بوائے کو نکال کر سر جعفر کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے گویا ہوا:

اپنے ماتحتوں کے ساتھ نرمی کا حکم ہماری شریعت نے دی ہے سو درد گزر کا معاملہ فرمائیں۔

اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بلا کا سکون عباس کے دل میں اتر گیا کہ وہ صحت مند معاشرے کا فرد بننے کا عزم اپنی ذات سے کر چکا تھا۔

## سکالر زیب النساء

یہ آج کل میرے ناشتے میں شامل ہیں، ایک پنی، چائے کے ایک کپ کے ساتھ۔

فوائد: بہت خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ اس میں اومیگا تھری فیٹی ایسڈز پائے جاتے ہیں جو کولیسٹرول کم کرتے، وزن گھٹانے میں مدد کرتے، بلڈ پریشر، موڈ، نیند، شوگر کو نارمل رکھنے میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ جلد اور سر کے بالوں کو صحتمند بناتے ہیں۔

ترکیب: السی کو بھون لیں اور گرائنڈر میں پیس لیں۔ پتیلی میں گھی ڈالیں اور آٹا بھون لیں۔ پھر السی اور تمام میوہ جات ڈال کر مکس کر لیں۔ دو گلاس پانی میں گڑ ڈال کر چاشنی تیار کر لیں۔ پھر چاشنی کو چھان کر مکس کیے ہوئے تمام اجزاء میں شامل کر دیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔ پھر اس کی پنیاں بنا لیں۔

### السی کی پنیاں

اجزاء:

| | | |
|---|---|---|
| السی | --- | 1/2 کلو |
| آٹا | --- | 1/2 کلو |
| گڑ | --- | 1 کلو |
| آئل / گھی | --- | 1 پاؤ |
| بادام | --- | 100 گرام |
| گری | --- | 100 گرام |
| مونگ پھلی | --- | 100 گرام |
| کشمش | --- | 100 گرام |

اریبہ مظہر

سنا ہے تتلیوں کے جہاں میں
جہاں پر امن لوگ ہوتے تھے
وہ نہ بغض رکھتے ہے نہ
کسی سے دور ہوتے ہیں
پھیلاتے ہر سو محبت تھے
احساس کے فقط رشتے ہوا کرتے تھے
مگر سنو یہ بات عہد رفتہ کی
اب مکمل دھندلا گئی یہ فضا
اب وہاں حاسدوں کی بستی
نہ ان میں وہ محبت کی رہی
تاثیر کہ ساتھ مکمل رہ جائے
دیکھو یہ جہاں تتلیوں کا
وہ نگری خوابوں کی
وہ دنیا خیالوں کی
وہ بستی عشق زادوں کی
وہ گلی ادم حنادے کی

وہ نرم و نازک تتلیوں کا
جہاں اب کہ مسلا جا چکا ہے
کہ گدھوں نے نوچ کھایا ہے
اب وہاں کے لوگ نہ ویسے
کہ وہاں کے پرندے ہجرت کر چکے
جنہیں اب تم ہم تلاش کرتے ہیں
کہ جن کو ڈھونڈتے ہیں
اب ہم کتابوں میں
یعنی اب خیالوں میں
ہائے مگر سد افسوس کہ
وہ کب کے روٹھ کے جا چکے ہیں
جنہیں ہم تم تلاشتے ہیں
وہ کب کے رخصت پا چکے ہیں
وہ گدھوں کے شہر سے جا چکے ہیں
وہ تتلیوں کے جہاں کے لوگ
یہاں سے اب جا چکے ہیں

# فلسطین و اقصیٰ

فضیلہ اشرف (رحیم یار خان)

تھکی ہوئی ہے ہر خوشی
اے اقصیٰ! تیرے ملال میں
ہر چیز ہو چکی ہے بیکار
تجھ پر ظلم کی انتہا میں
یہ گھٹے گھٹے سے دن
اور بے چینی ہے رات میں
زندگی کٹ رہی ہے مانندِ خار
اے فلسطین! تیری فتح کے انتظار میں
یہ خاموش آہیں، یہ غمزدہ دل
شرمسار ہیں ریاست کی پناہ میں
تھکی ہوئی ہے ہر خوشی
اے اقصیٰ! تیرے ملال میں

پاکیزہ عقیل

ایک میں اور تو، عالمِ جستجو
غافلِ مہر و مہ، چشمِ تر با وضو

میکدے کا سماں، مے فشاں تو ہی تو
لمحہ بھر خامشی اور پھر گفتگو

حالِ دل با اثر، جم گیا ہے لہو
خواب گہ تیرا در، بس تری آرزو

عشق صابر رہا اور میں تند خو
دل کی اک ہی صدا، اللہ ھو اللہ ھو

# غزل

## حمزہ ارشد

زندہ بے جانوں کو تلاش کریں
آؤ انسانوں کو تلاش کریں

اپنوں سے دل یہ بھر گیا اپنا
چلیے بے گانوں کا تلاش کریں

اک صدا دے مجھے مری دنیا
میرے ویرانوں کو تلاش کریں

بات اپنی بھی جو نہیں سنتے
ایسے دیوانوں کو تلاش کریں

بیٹھ کر تخت پر نہیں بیٹھے
ایسے سلطانوں کو تلاش کریں

ایک اک کر کے تو جتا اور ہم
تیرے احسانوں کو تلاش کریں

رکھ لی جاں اپنی اب ہتھیلی پر
حمزہؔ آ جانوں کو تلاش کریں

ڈاکٹر نایاب ہاشمی

جنگوں کی سنگینی
جاپان سے پوچھو تم
سبزہ نہ اگا تب سے
ہوئی زہریلی زمیں جب سے

گزرا ہے افغانستان
دس سال جنگوں سے
کھنڈرات بنا ہے وہ
بموں کی بارش سے

عراق کی تباہی بھی
زباں پہ تم دہراؤ
لاکھوں کی شہادت کو
نظروں میں ذرا لاؤ

شام میں دیکھو گر
جنگوں کی تباہ کاری
معصوم روز مرتے ہیں
ہوئی فضا تاب کاری

لبنان کی حالت سے
واقف ہے جہاں سارا
دشمن کے نشانے پر
ہوتا ہے اکثر بیچارہ

ڈاکٹر نایاب ہاشمی

تباہی یہ فلسطیں کی
دہائیوں پر مشتمل ہے
مسلم نسل کشی کی
پلاننگ پہ مشتمل ہے

زہریلی ہوا سے اب
شہادت بڑھے گی اب
دانا نہ اگے گا وہاں
زہریلی زمیں ہے اب

میزائل جو گرتے ہیں
جلاتے ہیں جسموں کو
گر موجود ہو فاسفورس
گلاتے ہیں ہڈیوں کو

حالات کی سنگینی
ہم کو یہ بتاتی ہے
امام مہدیؑ کے آنے کی
خوش خبری سناتی ہے